بلوچستان میں اُردو-ابتدائی نقوش وآثار

ڈاکٹر آغا محمد ناصر*

Abstract:

The Inception of Urdu in Balochistan

Iranian King and general Nadir Shah Afshar was able to get hold of Balochistan and Kandhar during 18th century.The invasion of Nadir Shah had multiple impacts on social and cultural life line of Balochistan and that includes lingual effect. How Urdu reaches to the areas of Balochistan and what were the contributing factors to flourish Urdu is the outcome of this article.

بلوچستان میں اردو زبان کو متعارف کرانے اور فروغ دینے کا سہرا بلوچستان کے نامور حکمران میر نصیر خان نوری اور ان کے قبائلی ساتھیوں کے سر رکھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس خطے کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں میر نصیر خان اور ان کے ساتھی ان اولین لوگوں میں تھے جو اٹھارویں صدی عیسوی میں ایران کے نادر شاہ افشار کے لشکریوں کی صورت میں اس وقت ہندوستان گئے جب دہلی میں ولؔی دکنی (۱) (۱۶۶۸ء۔۱۷۲۵ء) اردو شاعری کو ریختہ کے نام سے عوام میں اس قدر مقبول بنا چکے تھے کہ گلیوں اور بازاروں میں اردو کی حکمرانی شروع ہو چکی تھی اور اردو شاعری اپنے دور عروج میں داخل ہو چکی تھی۔

* صدر شعبہ اُردو، جامعہ بلوچستان

وؔلی ایران وتوراں میں ہے مشہور اگرچہ شاعر ملک دکن ہے (۲)

نادر شاہ کے حملہ دہلی (۱۷۳۹ء) کے (۳) دوران بلوچستان کے کم وبیش بارہ ہزار بلوچ سپاہی اُس کے ہمراہ تھے۔'' نادر شاہ اٹھاون (۵۸) دن تک دہلی میں رہا'' (۴) لیکن قندہار سے روانگی اور سندھ کے راستے بلوچستان پہنچنے میں اسے ایک سال لگا۔ بلوچستان کے یہ قبائلی بعد میں بھی بار بار ہندوستان جاتے رہے۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد افغانستان کے احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر آٹھ حملوں کے دوران خان آف قلات میر نصیر خان کی سرکردگی میں بلوچوں کی ان جنگوں میں موجودگی مسلم ہے۔ ۱۷۶۷ء تک بلوچستان کے بلوچ قبائل کی آمدورفت قلیل وقفوں کے ساتھ بار بار ہوئی۔ احمد شاہ ابدالی اور میر نصیر خان کی وفات کے بعد بھی بلوچستان کے مختلف قبائل پنجاب اور سندھ آتے جاتے رہے۔

اٹھارویں صدی کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ نادر شاہ نے نہ صرف ہندوستان یا سلطنت مغلیہ کی جغرافیائی حدود کو بدل کر رکھ دیا بلکہ بلوچستان اور افغانستان جیسی جدید ریاستوں کی بنیاد بھی ڈالی۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے حملہ دہلی کے وقت افغانستان کے احمد شاہ ابدالی اور بلوچستان کے میر نصیر خان نوری اپنے اپنے قبائلی لشکروں کے ساتھ اس کی فوج کا حصہ تھے۔ (۵) کیونکہ اُس زمانے کے دستور کیمطابق جن ریاستوں پر کسی بادشاہ کی بالادستی قائم ہو جاتی انہیں سالانہ خراج کے علاوہ جنگی مقاصد کے لیے فوجی امداد بھی دینا پڑتی تھی۔ جس کے لیے سان شاہ اور غم لشکر کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ سان شاہ غم لشکر کا بارھواں حصہ ہوتا تھا جو ہنگامی ضرورتوں کے لیے حکومت بالا دست یا حکومت اعلیٰ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ سان بادشاہ کی نفری بھی قبائل سے غم لشکر کے بارہویں حصے کی صورت میں جمع کی جاتی تھی۔ ہر قبیلہ کے دستہ سان کے ساتھ اس قبیلے کے سردار کا بیٹا، بھائی یا کسی قریبی رشتہ دار کا جانا ضروری ہوا کرتا تھا جو اپنے دستے کا ہر طرح سے ذمہ دار ہوا کرتا تھا۔ یہ دستے سال بہ سال انہی قبائل کے افراد سے تبدیل ہوا کرتے تھے۔ میر محبت خان پہلا بلوچ حکمران تھا جس نے پہلی بار ایران کے نادر شاہ اور بعد میں افغانستان کے احمد شاہ ابدالی کی ماتحتی قبول کی اور بیس ہزار روپے سالانہ خراج کے علاوہ بارہ ہزار کا لشکر بوقت جنگ اور ایک ہزار افراد سالانہ بطور سان بادشاہ دینا قبول کیا۔ (۶)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۷۳۶ء میں نادر شاہ نے اپنی تاجپوشی کے بعد جب قندہار پر قبضہ کرنے کی دیرینہ خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا تو اصفہان سے کوچ کرنے کے ساتھ ہی اپنے دو جرنیلوں پیر محمد اور آصیل ماس خان کو مکران اور بلوچستان پر قبضے کے لیے روانہ کیا۔ یہ جرنیل بندر عباس کے راستے بلوچستان میں داخل ہوئے اور جلد ہی میر عبداللہ خان برہوائی کے بڑے بیٹے میر محبت خان اور التاز خان کو اطاعت پر مجبور کر کے قندہار پہنچ

گئے ۔(۷) جہاں نادر شاہ نے میر محبت خان کو قلات کی مسند پر بٹھانے کے ساتھ ساتھ اس کے دونوں بھائیوں میر ایلتاز خان اور میر نصیر خان کے علاوہ امیر کمال خان التازئی، سلطان زہرو خان بنگل زئی، ملا محمد علی، امیر مراد علی التازئی اور ان کے بہت سے طرفداروں کو کو یرغمال کے طور پر قندہار بلا لیا۔(۸)

۱۷۳۸ء کے اوائل تک بلوچستان اور قندہار نادر شاہ کے قبضے میں آ چکے تھے۔جنوری ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے لاہور اور ۲۱، مارچ ۱۷۳۹ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔(۹) دہلی سے واپسی پر نادر شاہ سندھ کی طرف پلٹا اور بعد از خرابی ءبسیار نور محمد خدایار خان کلہوڑا نے اطاعت قبول کر لی اور ہر سال دس لاکھ روپے خراج دینے کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کی قیادت میں دو ہزار گھوڑ سواروں کی جمعیت فراہم کرنا طے پائی۔ نادر نے خدایار خان کی قلمرو کو تقسیم کرتے ہوئے کچھی اور سندھ کا بلوچستان سے ملحقہ علاقہ محبت خان کی تحویل میں دے دیا۔سندھ سے جاتے ہوئے نادر اپنے ساتھ کلہوڑا کے دو بیٹوں اور دو ہزار سندھیوں (۱۰) کا لشکر ساتھ لیتا ہوا لاڑکانہ کے راستے گنداوا، سبی، درہ بولان، شال (کوئٹہ) اور پشین سے ہوتے ہوئے درہ کوژک کے راستے قندہار کے قریب نادر آباد پہنچا۔(۱۱)

نادر شاہ کے حملہ دہلی کے دوران میر نصیر خان اور ان کے بلوچ قبائل شاہ کے ہمراہ رہے اور وہاں سے واپسی پر وہ کچھ دنوں کے لیے قلات میں بھی رکے۔(۱۲) پوٹنگر کیمطابق میر نصیر خان دہلی تک نادر شاہ کے ساتھ گیا تھا اور ہر موقع پر اس نے ایسی شجاعت و فراست کا ثبوت دیا تھا کہ ایک عام اجتماع میں نادر شاہ نے اس سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کو تخت سے اتار کر ملک کو دوبارہ سلامتی اور خوشحالی کے راستے پر چلائے۔

نادر شاہ اور اس کے ساتھ آنے والے ہندوستان سے تخت طاؤس' کوہ نور اور زرو جواہر ہی لے کر نہیں گئے بلکہ ہندوستان سے ہنرمندوں' سپاہیوں' کاریگروں' ادیبوں' طبیبوں اور دیگر اہل علم و کمال کی ایک بڑی تعداد بھی ساتھ لیتے گئے۔لارنس لاک ہارٹ نے اپنی کتاب میں چند دیگر حوالوں سے جو تفصیل دی ہے صرف اسے مدنظر رکھا جائے تو ہندوستان سے جانے والوں کی تعداد لاکھوں میں بنتی ہے۔لارنس لاک ہارٹ کیمطابق دہلی چھوڑنے سے پہلے نادر نے بڑی تعداد میں ہندوستان سے کشتیاں بنانے والے اور بڑھئی کابل اور بلخ کے راستے دریائے جیحوں (آموں) پر پہنچائے تا کہ وہ ایرانی فوج کو ترکستان کی مہم کے لیے کشتیاں تیار کر کے دیں۔علاوہ ازیں اس نے بڑی تعداد میں سنگ تراش، معمار، بڑھئی، زرگر اور دیگر کاریگر ساتھ لیے تا کہ ایران میں دہلی کی طرز پر شاندار اور عالیشان شہر تعمیر کیا جائے۔(۱۳)

کچھ اہم ہندوستانی منصب دار اور عمال بھی نادر شاہ نے اپنی ملازمت میں لیے۔ان میں زیادہ معروف

علاوی خان (حکیم باشی یا شاہی طبیب) تھا جسے نادر شاہ نے اپنے ذاتی معالج کی حیثیت سے ساتھ رکھا۔خواجہ عبدالکریم کوتاریخ نویس کی حیثیت سے ملازم رکھا گیا۔اسی عبدالکریم نے بیان واقعی قلمبند کی۔خزانے کوایران منتقل کرنے کے لیےاونٹوں، خچروں،کئی سو ہاتھیوں کے علاوہ گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد بھی لوٹ کے مال میں شامل تھی۔(۱۴)

محمد کاظم اپنی کتاب نادرنامہ کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھتا ہے کہ عراق (میسوپوٹیمیا) میں داخل ہونے سے پہلے فوج کا معائنہ کیا جس میں تین لاکھ پچھتر ہزار فوجی تھے۔ان میں غزنی،کابل، پشاور،کشمیر،ملتان اور لاہور کے سپاہیوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔(۱۵)

ہندوستان سے نادر شاہ کے احکامات ملنے پر بلخ کی چھاؤنی کے کماندار نے گیارہ سو کشتیاں تیار کر رکھی تھیں۔ ہر کشتی دو سے تین ہزار من تک بوجھ لے کر چل سکتی تھیں۔ یہ کشتیاں ہندوستانی کاریگروں نے تیار کی تھیں جنہیں نادر نے اسی کام کے لیے ہندوستان سے بھجوایا تھا۔(۱۶)

نادرشاہ کواپنے جہاز خلیج کے پانیوں میں رواں دواں رکھنے کے لیے ہندوستانی اور بلوچ ملاحوں کا مرہون منت ہونا پڑتا تھا۔(۱۷)

ابی ورد سے ایک سو پچاس میل جنوب میں چشمہ خلنجان کے مقام پر ہندوستانی معماروں اور ہنرمندوں سے دلی کی طرز پر ایک نیا شہر بنوایا گیا۔اس شہر کا نام بعدازاں خیواق آباد رکھا گیا۔(۱۸)

اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان سے ہاتھیوں کے مہاوت، بازی گر،شعبدہ باز اور ہر طرح کے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نادر کے حکم پر ہندوستان سے ہجرت کر کے ایران اور افغانستان کے مختلف علاقوں میں خدمات انجام دے رہی ہیں۔نادر شاہ کے قتل کے بعد بھی سلطنت مغلیہ کے دور زوال میں بدامنی،انتشار،افراتفری، معاشی بدحالی اور تہذیبی واخلاقی انحطاط پذیری کی وجہ سے نقل مکانی اور ہجرت کے لاتعداد شواہد تاریخ میں موجود ہیں۔

اس دوران سماجی بین العمل کی تمام صورتیں شدومد سے کام کرتی رہیں جس کے نتیجے میں انتہائی دوررس سیاسی،سماجی،ثقافتی اور لسانی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی کتاب تاریخ ادب اردو میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''ایک تہذیب یافتہ قوم فاتحین سے شکست کھا کر پسپا ضرور ہو جاتی ہے لیکن اس کی تہذیب دیکھتے ہی دیکھتے خود فاتح کی تہذیب کو فتح کر لیتی ہے۔تہذیبی فتح، زمینی فتح سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ بظاہر

اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کو فتح کر لیا تھا لیکن جب ولؔی کی شخصیت میں شمال اور جنوب کی تہذیبوں کا امتزاج عمل میں آیا تو ولؔی کی شاعری نے دکن سے اٹھ کر دلی کو فتح کر لیا اور زبان و بیان کے اس نئے معیار کا آغاز ہوا جسے برسوں تک ریختہ کے نام سے موسوم کیا جاتا رہا اور جس کی ممتاز ترین نمایندہ صنف غزل ہے۔‘‘(۱۹)

اہل بلوچستان بالکل اسی عمل سے گزرے۔ گو کہ نادر شاہ اور بعد میں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ بار بار ہندوستان پر حملوں کے دوران‘ ان لشکریوں نے ہندوستان سے مال و دولت اکٹھا کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس عظیم تہذیبی مرکز سے جو اثرات لے کر آئے اس نے آئندہ بطور خاص بلوچستان کو بہت متاثر کیا۔ ۱۷۳۹ء میں شروع ہونے والا یہ سلسلہ تین دہائیوں تک تو انتہائی شد و مد کے ساتھ جاری رہا لیکن اس کے بعد بھی پنجاب اور سندھ پر ان لشکرکشیوں کا سلسلہ ۱۸۱۵ء تک جاری رہا جس کے اثرات دو سو سال تک اس خطے پر مرتب ہوتے رہے۔ ان لشکرکشیوں نے ان علاقوں کے سماجی، سیاسی، معاشی اور لسانی حالات پر بہت گہرے، دیرپا اور انمٹ اثرات مرتب کیے۔

اہل بلوچستان گو کہ پچھلے بارہ سو سالوں میں عربوں‘ ایرانیوں‘ افغانوں اور مغلوں کے زیر اثر رہے لیکن لسانی حوالوں سے فارسی اور عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کے اثرات سے انتہائی کم متاثر ہوئے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ رہی کہ خود اہل بلوچستان بیرونی حملوں کا شکار ہی ہوتے رہے، یہاں سے اپنی خانہ جنگیوں کی وجہ سے ہجرت کرتے رہے لیکن خود حملہ آوروں کی صورت باہر نہیں گئے اور بیرونی حملہ آوروں کے لیے بھی اس علاقے میں مستقل رہنے کے لیے کوئی خاص کشش نہیں تھی۔ نادر شاہ کی آمد نے وسطی بلوچستان میں نہ صرف ایک مضبوط ریاست کی بنیاد رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا بلکہ بلوچ شہزادوں‘ سرداروں اور قبائلیوں نے نادر شاہ کے ساتھ پہلی مرتبہ ہندوستان، ایران اور ترکی کو دیکھا۔ جس نے مستقبل میں بلوچستان پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

۱۷۳۹ء سے ۱۷۴۷ء کا عرصہ میر نصیر خان نے اپنی والدہ بی بی مریم اور مصاحبوں کے ساتھ نادر شاہ کی معیت میں گزارے۔ میر نصیر خان کے ان دوستوں میں علی خان کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے۔(۲۰) جس کے بعد ۱۷۶۷ء تک احمد شاہ درانی کے ساتھ ہندوستان اور ایران کی جنگی مہمات میں اپنے قبائل کے ساتھ شریک رہا۔ پنجاب میں سکھوں کے خلاف حملوں میں بھی میر نصیر خان احمد شاہ درانی کے ساتھ اپنے ہزاروں قبائلیوں کے ساتھ شریک رہا۔

نادر شاہ کے دربار میں گیارہ سال (۱۷۳۶ء۔۱۷۴۷ء) گزارنے کے دوران نصیر خان نے اس سے

بہت کچھ سیکھا۔ وہ اس کی فتوحات میں اس کے ساتھ رہا۔ اس کے ساتھ اس نے بے شمار مصائب جھیلے۔ ان مصائب نے اسے جفاکش اور مستقل مزاج بنا دیا۔ اس نے محمد شاہ رنگیلا کی ذلت، دہلی کا قتل عام، جنگ میں نادرشاہ کی بہادری اور تکنیک اور اس کی فوجوں کی ساخت کا اچھی طرح مشاہدہ کیا۔ یہیں پر وہ احمد خان ابدالی اور شاہ ولی خان سے واقف ہوا۔ شاہ ولی خان جو احمد شاہ ابدالی کی حکمرانی کے زمانے میں مقتدر وزیر اور اشرف الوزرا کے لقب سے نوازا گیا تھا، میر نصیر خان کا بہت بڑا حامی تھا۔ (۲۱)

ہندوستان سے واپسی پر نادرشاہ نے میر عبداللہ خان کے خون بہا کے طور امیران سندھ سے میر نصیر خان کی والدہ بی بی مریم کو ۱۷۴۰ء میں کچھی کا پورا زرخیز علاقہ دلوا دیا تھا جس کی وجہ سے نہ صرف وسطی بلوچستان کے بہت سے قبائل کو اپنے مال مویشیوں کے لیے بہت بڑی بڑی چراگاہیں ملیں بلکہ زرعی زمینوں نے معاشی بہتری حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ موسمی خانہ بدوشی کو بھی فروغ دیا۔ جس کی وجہ سے سندھ اور پنجاب کے لوگوں سے تجارتی' کاروباری تعلقات بڑھنے کے ساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی تعلقات بھی بڑھے۔ ''پانچ ہزار میل کے اس علاقے نے قلات میں گویا انقلاب برپا کر دیا۔ زرعی اجناس کی صورت میں قلات کو زبردست آمدن حاصل ہوتی رہی اور خانی بہت مضبوط ہوتی گئی''۔ (۲۲)

اگر بلوچستان کے مختلف قبائل کو ان کی مادری زبانوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو اٹھارویں صدی کے وسط میں بلوچی' براہوی، پشتو، جدگالی (حاشیہ) اور فارسی یہاں کے لوگوں کی مادری زبانیں تھیں جبکہ سرکاری، درباری، علمی اور عدالتی زبان فارسی تھی۔ چونکہ پشتو کے علاوہ اس خطے میں کسی اور تحریری زبان کا سراغ بھی نہیں ملتا اس لیے تاریخی طور پر فارسی کے علاوہ تحریری دستاویزات کسی اور زبان میں نہیں ملتیں ہیں جو بیک وقت ایران' افغانستان' سندھ' پنجاب' ہندوستان حتیٰ کہ بنگال کی سرکاری زبان کی طرح بلوچستان کی سرکاری زبان بھی تھی۔ البتہ انیسویں صدی کے اوائل کے کچھ سیاحوں نے قلات اور کچھ دیگر تجارتی علاقوں میں ہندوؤں کی ایک کاروباری زبان کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق زیادہ تر حساب کتاب سے تھا'' جارج فوسٹر جس نے ۱۷۸۳ء میں افغانستان میں سفر کیا لکھتا ہے کہ شہروں اور قصبوں میں زیادہ تر ہندو یا پنجاب کے مسلمان آباد ہیں۔ قندہار میں ملتان اور راجپوت اضلاع کے بہت سے ہندو خاندان ہیں۔ (۲۳) ہنری پوٹنگر اور میسن نے بھی قلات میں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کا ذکر کیا ہے جن کی زبان پنجابی تھی۔ پوٹنگر لکھتا ہے کہ ''قلات کے ہندوؤں کی زبان ہندی کی وہ شاخ ہے جو پنجاب میں بولی جاتی ہے اور وہ اسی میں اپنا حساب کتاب رکھتے ہیں۔ (۲۴) میسن کے مطابق کچھی کے جٹوں کی زبان جٹکی ہے جو سندھ اور پنجاب کی زبانوں سے مشابہ ہے۔ (۲۵) لیکن انیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں جہاں اس خطے میں

بلوچی٬ براہوئی اور فارسی کے بھی مشکل سے چند شاعر ملتے ہیں وہاں ہمیں نائب ملا محمد حسن براہوئی کی اردو شاعری کا مکمل دیوان ملتا ہے جسے ۱۸۴۷ء میں وہ مرتب کر چکے تھے۔(۲۶)

نائب ملا محمد حسن براہوئی٬ خان آف قلات میر نصیر خان نوری کے مصاحب خاص آغا علی خان بنگلزئی کے پوتے ہیں۔ یہ وہی علی خان بنگلزئی ہیں جو قندہار اور مشہد کے زمانہء اسیری میں میر نصیر خان نوری کے ساتھ تھے اور بعد میں ان کی وفاداریوں اور خدمات کے صلے میں نہ صرف انہیں آغا کے خطاب سے نوازا گیا بلکہ ان کے بیٹے یعنی نائب ملا محمد حسن براہوئی کے والد نائب ملا عبدالرحمان کو کچھی کا گورنر بھی بنایا گیا۔(۲۷)

کچھی٬ درہ بولان سے خان گڑھ (جیکب آباد) تک کا علاقہ کہلاتا تھا جس میں٬ موجودہ ضلع کچھی اور نصیر آباد ڈویژن کے تمام اضلاع شامل تھے۔ ہندوستان٬ افغانستان اور ایران کو جانے والے تجارتی قافلے اور مسافر اسی راستے سے گزرتے اور شکارپور کا قدیم تجارتی شہر جہاں کئی زبانیں بولی جاتی تھیں٬اس کی سرحد پر واقع تھا''۔(۲۸) کچھی کا علاقہ سندھ کے کلہوڑوں سے عبداللہ خان کے خوں بہا کے طور پر ملنے کی وجہ سے بلوچستان کو نہ صرف ایک بہت بڑا زرعی اور زرخیز علاقہ ملا گیا بلکہ اس کی وجہ سے یہاں کی قبائلی زندگی نے جاگیردارانہ نظام کے خواص بھی اپنانے شروع کر دیئے''۔(۲۹)

بلوچستان کے پہلے صاحب دیوان اردو شاعر نائب ملا محمد حسن براہوئی کی تاریخ پیدائش اور ابتدائی زندگی کے بارے میں تاریخی کتب میں معلومات نہیں ملتی ہیں لیکن ان کے والد نائب ملا عبدالرحمان اور بعد میں ان کی سیاسی زندگی کے حالات سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام یقیناً کچھی میں گزارے ہوں گے جو سندھ کی سرحد پر واقع انتہائی مصروف تجارتی شہر شکارپور کے قریب واقع ہے۔ بلکہ سندھ گزیٹیئر کے مطابق ''شکارپور نہ صرف سندھ بلکہ ایشیا کے بڑے تجارتی شہروں میں شامل ہو گیا تھا۔ درۂ بولان کے ذریعے سندھ کے تجارتی راستے پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ کاروانوں کا پڑاؤ بن گیا تھا اور یہاں بنیوں کی ایک بستی کھڑی ہو گئی تھی جس نے وسط ایشیا کے ہر تجارتی قصبے میں اپنی ایجنسی قائم کر دی تھی۔(۳۰)

ان تجارتی مراکز کے اثرات صرف معاشی اور اقتصادی نہیں تھے۔ اپنے تجارتی روابط کو بڑھانے اور استوار رکھنے کی خاطر انہیں سماجی اور ثقافتی لحاظ سے بھی اپنے روابط بڑھانے کی ضرورت پیش آتی ہو گی جو زبان کے بغیر ممکن ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں واضح طور پر یہ درج ہے کہ ہندوستان٬ افغانستان اور ایرانی حکمرانوں کے جاسوس بھی ان علاقوں میں اپنی اپنی حکومتوں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر سرگرم عمل رہتے تھے اور معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ ان معلومات کو حاصل کرنے کے لئے انہیں نہ صرف کئی کئی زبانوں پر عبور رکھنے

کی ضرورت پیش آتی ہوگی بلکہ بازاروں اور لشکریوں کی مشترکہ زبان پر دسترس کے بغیر یہ کام ممکن ہی نہ ہوگا۔

کوئٹہ‘ قلات‘ مستونگ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں بننے والے ان تجارتی منڈیوں کے علاوہ افغانستان اور بلوچستان کے روایتی خانہ بدوش قبائل کی آمدورفت اور تجارت بھی سماجی‘ ثقافتی اور لسانی تبدیلیوں اور اردو زبان کے فروغ کا سبب بنی۔ مشرقی افغانستان کے خانہ بدوش قبائل کے مصنف کیپٹن جے اے رابنسن جنہوں نے اپنی یادداشتوں کو ۱۹۳۴ء میں کتابی شکل دی لکھتے ہیں کہ بلوچستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں بسنے والے خانہ بدوش قبائل جو پاوندے کہلاتے ہیں صدیوں سے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ غلزئیوں کی ہندوستان کے ساتھ تجارت بہت پرانی ہے۔ یہ غالباً گیارھویں صدی میں شروع ہوگئی تھی اور آج بھی یہ صوبہ جات متحدہ (سی پی اور یو پی) میں ویلاوتی‘ کہلاتے ہیں۔(۳۱) درآمدات جو ہندوستان میں آتی ہیں وہ عام طور پر پشاور‘ تھل‘ کوہاٹ‘ بنوں‘ ڈیرہ اسماعیل خان‘ کلاچی‘ ٹانک‘ چمن‘ پشین‘ کوئٹہ‘ لورالائی‘ سبی‘ شکارپور‘ ڈیرہ غازی خان اور ملتان میں دلالوں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہیں۔ یہ دلال بنک کی طرح ان کی مدد کرتے ہیں اور تجارت کے لئے ان لوگوں کو قرض دیتے ہیں۔(۳۲) یہ خانہ بدوش قبائل کئی کئی زبانیں بول سکتے تھے۔ کیپٹن رابنسن کے مطابق

> ’’تمام پاوندے اپنی مادری زبان کی حیثیت سے پشتو بولتے ہیں لیکن ان کا لب ولہجہ ہندوستان کے سرحدی پٹھانوں سے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ کچھ لوگ فارسی بھی بولتے ہیں خط وکتابت کی زبان فارسی ہے۔ خطوط مُلا لکھتے ہیں اور یہ ملا بعض کیریوں میں اسکولوں میں فارسی کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ آپ کو ایسے پاوندے بھی ملیں گے جو برمی‘ آسامی‘ بنگالی‘ خسکر ایا پنجابی جانتے ہوں اور اردو تو بہت سے پاوندے روانی سے بولتے ہیں۔ کچھ لوگ جو آسٹریلیا سے واپس آ گئے ہیں جہاں وہ شتربان کی حیثیت سے گئے تھے اسی براعظم کے لب ولہجہ میں انگریزی بھی بولتے ہیں‘‘(۳۳)

ذرائع آمدورفت اور سیاسی حالات میں تبدیلیوں کی وجہ سے جب خانہ بدوشی کم ہونے لگی تو بلوچستان اور سرحد میں ان پاوندوں نے مستقل رہائش شروع کر دی۔

بلوچستان میں بسنے والے ان خانہ بدوش قبائل کے بارے میں یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ ان کی عورتیں بطور خاص کئی کئی زبانوں پر عبور رکھتی ہیں بلکہ اردو اور پنجابی تو وہ اپنی مادری زبانوں کی طرح بولتی ہیں۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ان تجارتی منڈیوں‘ تاجروں‘ خانہ بدوشوں‘ قبائلی لشکریوں نے بلوچستان میں اردو زبان پھیلانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ بلوچستان میں اردو زبان کے قدیم لہجوں کے نمونے آج بھی ان علاقوں میں اہل تحقیق کے منتظر ہیں۔

نادر شاہ اور احمد شاہ کے ساتھ ہندوستان اور ایران پرحملوں کے دوران بلوچستان کے قبائلی ایک طویل عرصہ تک ہندوستان، پنجاب، سندھ اور افغانستان کے سپاہیوں کے ساتھ رہے۔ بلوچستان کے بلوچ، براہوئی، دہواری اور پشتو بولنے والے قبائل نے اس عرصے میں سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے رہنے والوں اور سپاہیوں سے اسی لشکری زبان میں اظہار کی کوشش کی ہوگی جسے اردو کہتے ہیں۔ بقول حامد حسن قادری ''مغلوں کے زمانے سے ہندوستان میں اردو کا لفظ لشکر و لشکر گاہ کے معنوں میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ بابر، اکبر، جہانگیر کے فرمانوں اور سکوں میں اردو کا لفظ لشکر کے معنوں میں درج ہے۔(۳۴) بقول ڈاکٹر جمیل جالبی اردو لشکر کی زبان ہے اور یہ لشکر میں ہی پھلی پھولی اور پروان چڑھی ہے۔

اس دوران نہ صرف ان ممالک کے حکمرانوں کے درمیان طے پانے والے معاہدات کو استحکام دینے کی غرض سے رشتے ناطے ہوئے بلکہ ان حملوں کے نتیجے میں غلاموں اور کنیزوں کی ایک بڑی تعداد بھی بلوچستان میں منتقل ہوتی رہی۔ اس زمانے میں ''غلامی پورے بلوچستان میں عام تھی اور کوئی ایسا قابل ذکر خاندان نہ تھا جس کے پاس غلام مرد یا عورت نہ ہو۔۔۔ زرخرید غلاموں کے علاوہ جنگی قیدی بھی ہوتے تھے جو افریقہ، پارس، انڈیا اور افغانستان سے تعلق رکھتے تھے۔ مری، بگٹی غلاموں کی اکثریت مرہٹہ تھی جو صرف احمد شاہ ابدالی کی جنگ میں حاصل نہیں کیے گئے تھے۔(۳۵) اگرچہ خان قلات نے ہندوستان کی انگریز حکومت کے دباؤ پر غلامی کا نظام ۱۹۱۴ء میں قانونی طور پر ممنوع قرار دیا تھا لیکن ۱۹۵۰ء تک صاحب حیثیت گھرانوں میں غلام رکھنے کا رواج موجود تھا۔(۳۶)

اٹھارویں صدی کی تاریخ دیکھنے سے یہ دلچسپ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہندوستان، ایران، سندھ، افغانستان اور بلوچستان کے حکمران رشتوں ناطوں کے ذریعے ایک خاندان بن چکے تھے۔ ہندوستان کے شہنشاہ اورنگ زیب کی پڑپوتی کی شادی ۶ اپریل ۱۷۳۹ء میں ایران کے نادر شاہ کے بیٹے نصراللہ سے ہوئی(۳۷) جب کہ ۱۷۴۹ء میں بلوچستان کے میر نصیر خان کی بھتیجی اور میر محبت خان کی بیٹی کی شادی افغانستان کے احمد شاہ ابدالی سے ہوئی(۳۸) اور احمد شاہ ابدالی کے بیٹے شہزادہ تیمور کی شادی عالمگیر ثانی کی بیٹی گوہر افروز بیگم سے ۱۷۵۷ء میں ہوئی(۳۹) اور اسی شاہزادے سے بلوچستان کے میر نصیر خان کی بھتیجی کی شادی بھی ہوئی۔(۴۰) میاں نور محمد خان کلہوڑا کے دونوں بیٹے میاں خداداد خان اور میاں مراد یاب خان، خان قلات میر عبداللہ خان بروہی کے داماد تھے۔(۴۱) جبکہ میر نصیر خان کی بیٹی بی بی سلطان خاتون کی شادی ۱۷۷۶ء میں لسبیلہ کے جام میر خان سے ہوئی۔(۴۲) ان شادیوں میں دلہنوں کے ساتھ ساتھ انتہائی زیرک کنیزوں اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد بھی جہیز کے ساتھ مختلف مقاصد کے لیے بھجوائی گئی ہوں گی۔

اٹھارویں صدی کے ان سیاسی حالات نے جہاں ایک طرف بلوچستان میں میر نصیر خان نوری کی قیادت میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت کی بنیاد رکھنے میں مدد دی وہاں کچھی کی زرعی زمینوں، شاہراہوں کی حفاظت، تجارت کے فروغ اور نظم و نسق کی وجہ سے امن و امان کی بہتر صورتحال، مسافروں اور تاجروں کی آمد و رفت، باہمی رشتوں اور تجارتی منڈیوں کے قیام میں بھی مدد دی۔ جس کے نتیجے میں اقتصادی اور معاشی حالات میں بہتری ہوئی اور ان تمام عوامل نے مجموعی طور پر ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جس نے ثقافتی اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ لسانی تبدیلیوں کو بھی فروغ دیا۔

انیسویں صدی کے اوائل میں جہاں ہندوستان اور افغانستان کے سیاسی حالات نے بلوچستان پر منفی اثرات مرتب کیے وہاں بلوچستان کے داخلی حالات اور کمزور قیادت نے بھی بیرونی طاقتوں کو اس خطے میں کھل کر کھیلنے کا موقع فراہم کیا۔ جون ۱۷۹۵ء میں میر نصیر خان نوری کے وفات (۴۳) کے بعد قبائلی رسوم و رواج کے مطابق ان کا کم سن بیٹا میر محمود خان آف قلات بنا جس کی عمر صرف سات سال تھی۔ قبائلی سرداروں کی مشاورت سے آخوند فتح محمد وزیر کو میر محمود خان کا اتالیق اور سربراہ مقرر کیا گیا جو پانچ ارکان پر مشتمل مجلس مصاحبین کے صلاح مشورے سے حکومت چلانے لگے۔ (۴۴) قلات پر میر محمود خان کی حکومت ۱۸۱۷ء تک رہی اس عرصے میں افغانستان کے محمود شاہ کے پنجاب کے مہم میں میر مصطفےٰ خان کی سرکردگی میں ملتان تک گئے۔ لیکن اندرونی انتشار اور بدنظمی کی وجہ سے جلد ہی لوٹ آئے۔ (۴۵) نصیر خان نوری کے وفات کے بعد ریاست قلات نہ صرف سیاسی اعتبار سے انتشار کا شکار ہوگئی بلکہ تجارتی مراکز اور شاہراؤں پر امن و امان نہ ہونے اور ہندو تاجروں کے تسلط کی وجہ سے اقتصادی لحاظ سے بھی بحران کا شکار ہوگئی۔ ''چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نصیر خان نوری کے زمانے کی سالانہ آمدنی جو کہ تیس لاکھ روپے تھی اس کے بیٹے کے زمانے میں گھٹ کر محض تین لاکھ روپے رہ گئی'' (۴۶)

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزوں نے لارڈ لیک کی سربراہی میں ہندوستان کے بادشاہ کو ایک وظیفہ خوار بنا کر لال قلعے تک محدود کر دیا تھا۔ (۴۷) جنرل لیک کی فوجیں ۱۲۱۸ھ بمطابق ۱۸۰۳ء دہلی میں داخل ہوئیں۔ (۴۸) سکھوں نے راجہ رنجیت سنگھ کی قیادت میں انگریزوں کے ساتھ مل کر نہ صرف پنجاب میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی بلکہ کشمیر، پشاور، ملتان، سندھ حتیٰ کہ بلوچستان کی سرحدوں تک پہنچ چکے تھے۔ بلکہ ۱۸۳۱ء میں ڈیرہ غازی خان کا پورا علاقہ سکھ سلطنت میں شامل ہو چکا تھا۔ (۴۹) امیران سندھ مختلف معاہدوں کے ذریعے افغانستان کے حکمرانوں کی بالادستی انگریزوں کو منتقل کر رہے تھے اور انگریزوں نے افغانستان اور ایران میں فرانسیسی اور روسی اثرات کو روکنے کی غرض سے افغانستان پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے تھے۔ عسکری لحاظ سے

افغانستان پہنچنے کے لیے بلوچستان ایک ناگزیر اور آسان رستہ تھا جس پر تسلط قائم کیے بغیر انگریز اپنے منصوبوں کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کی غرض سے بلوچستان کے حالات معلوم کرنے کے لیے انیسویں صدی کے اوائل میں انگریز جاسوسوں نے بلوچستان کے دورے شروع کر دیے۔ لیفٹیننٹ ہنری پوٹنگر غالباً پہلا انگریز جاسوس تھا جو ایک سیاح کے روپ میں بلوچستان آیا۔ وہ اپنی مادری زبان انگریزی کے علاوہ فارسی اور اردو (۵۰) زبانوں پر بھی عبور رکھتا تھا۔ پوٹنگر نے اپنے مختصر دورے کے دوران اپنے منضبط مشاہدے کی وجہ سے بہت سی معلومات حاصل کیں۔ ان معلومات کے نتیجے میں سندھ، پنجاب اور بلوچستان میں انگریزوں نے اپنے مزید جاسوس بھیجے اور امیران سندھ اور پنجاب کے سکھ حکمرانوں کے ساتھ نئے معاہدات کیے۔ اور ۱۸۳۲ء تک دریائے سندھ میں انگریزوں کی آزادانہ تجارت اور آمد و رفت جیسے معاہدات امیران سندھ سے کر لئے گئے۔ (۵۱)

۱۸۱۷ء میں میر محمود خان کے وفات کے بعد ان کا بیٹا میر محراب خان، خان آف قلات بنا۔ جو ۱۴، نومبر ۱۸۳۹ء میں انگریزوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (۵۲) میر محراب خان کا زمانہ بلوچستان میں بدامنی، قبائلی سرداروں کی خودمختار، انگریزوں کی ریشہ دوانیوں، درباری سازشوں اور اندرونی اور بیرونی مشکلات کا دور تھا۔ اس عرصے میں جہاں بلوچستان میں میر نصیر خان کی قائم کردہ مضبوط اور مستحکم حکومت قلات کے میری (شاہی محل) تک محدود ہو کر رہ گئی وہاں بلوچستان کی سرحدوں پر انگریز اور اس کے جاسوسوں، سپاہیوں اور افغان شہزادوں کی آپس کی لڑائیوں نے سیاسی اور سماجی حوالوں سے بھی بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف ہندوستانی سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد انگریز فوج میں بلوچستان کے سرحدی علاقوں میں افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے موجود ہے وہاں افغانستان کے شجاع الملک سکھوں کے راجہ رنجیت سنگھ کی مدد سے لدھیانہ میں چھ ہزار ہندوستانیوں کی فوج جمع کر کے افغانستان پر اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ (۴۷) اسی زمانہ میں ہڑند اور داجل (ڈیرہ جات) کے علاقے خان کے ہاتھوں سے نکل گئے ایک عرصہ سے سید محمد شریف تیر یچی ان علاقوں کا حاکم چلا آتا تھا۔ پنجاب کے خودمختار حکمران راجہ رنجیت سنگھ نے ان علاقوں پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا اور سید محمد شریف نے ایک معمولی رقم لے کر یہ علاقہ خالص سردار کے گماشتوں کے حوالے کر دیئے۔ خان محراب خان اپنے ملک کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے کوئی کارروائی کرنے کی حیثیت میں نہ تھا اور نہ ان علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کیے کوئی کارروائی کی گئی۔ (۵۳)

اسی پر آشوب زمانے میں بلوچستان میں اردو شاعری کے اولین تحریری نمونوں کا سراغ ملتا ہے۔ قلات

کے وزیراعظم نائب ملا محمد حسن براہوئی اپنے دیوان کی تکمیل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ملا محمد حسن براہوئی کے خاندانی پس منظر، بلوچستان کے علمی وادبی فضا اور سماجی وسیاسی حالات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ میر نصیر خان نوری اور بلوچستان کے قبائل نے اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان سے جو ثقافتی اثرات قبال کیے تھے یہ ان کا پہلا اظہار تھا۔ نائب ملا محمد حسن براہوئی کے سیاسی پس منظر کی وجہ سے تاریخی کتب میں انہیں ایک متنازعہ شخصیت کے طور پر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے ساتھ منسلک کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے جبکہ انگریز مورخین اور روزنامہ نویسوں نے بھی ان کو خلاف لکھنے میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا ہے۔ اخوند ملا محمد صدیق کے مطابق میر محراب خان کے وزیراعظم اخوند مُلا فتح محمد نے اپنے حریف خاندان کے ایک فرد مُلا محمد حسن کو جو مُلا عبدالرحمان آغا علی زئی کا بیٹا تھا بھاگ کا نائب مقرر کیا۔ (۵۴) اور ۱۸۳۶ء میں خان نے انہیں اپنا وزیراعظم بنالیا۔ (۵۵)

وزیراعظم قلات کی حیثیت میں ریاست کی انتظامی امور کو چلانے کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سفارتی معاملات کو طے کرنے کے لئے خان آف قلات میر محراب خان اور ان کے بعد میر نصیر خان ثانی کو مُلا محمد حسن براہوی ہی کا انتخاب کرنا پڑا۔ اتنے متنازعہ شخص کو اتنی اہم ذمہ داریاں سونپنے کی بڑی وجہ بلوچستان میں تعلیم یافتہ افراد کی کمی بھی تھی۔ تواریخ ڈیرہ غازی خان کے مولف منشی حکیم چند، ۱۸۷۵ء میں بلوچستان کے تعلیمی اور علمی ماحول کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس ملک میں بعلمداری ہاء سابقہ چرچا تعلیم کا بہت کم پایا جاتا ہے لوگ بے علم اور جاہل تھے۔ بلوچ لوگ تو تعلیم وعلم کو عیب و عار سمجھتے ہیں ہر نوع کی غارتگری، رہزنی و جنگ میں اپنا ایک فخر و نیک نامی اور تحصیل علم کو حقارت جانتے ہیں قاضی یا مُلا لوگ کچھ علم فارسی و عربی پابندی مذہب خود پڑھتے ہیں یا کسی ہندو نوکری پیشہ نے کچھ علم فارسی شدوبود حاصل کیا (۵۶) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام تر اختلافات کے باوجود مُلا محمد حسن براہوی بلوچستان کے سیاسی وسماجی اور ادبی منظر پر چھائے ہوئے ہیں اور فارسی، بلوچی، براہوی کے تین شعراء کے بعد بلوچستان کے چوتھے شاعر ہیں جو فارسی، براہوی کے ساتھ ساتھ اردو میں شعر کہہ رہے ہیں۔

اٹھارویں صدی کے ان پہلے چار عشروں میں بلوچستان میں اردو زبان اور شاعری کے فروغ میں چار اہم سیاسی واقعات نے انتہائی دور رس اثرات مرتب کیئے۔ انگریز بلوچستان میں ایک نئے دشمن کی صورت میں داخل ہوئے۔ جن کے بارے میں اہل بلوچستان کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس نئے دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے سندھ اور ہندوستان کے مسلمانوں سے رابطے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو گی۔ ۱۸۲۶ء میں سید احمد شہید (۵۷) اپنے مجاہدین کے ساتھ بلوچستان سے گزرے (۵۷) انگریزوں نے افغانستان پر

حملہ کیا، میر محراب خان شہید ہوئے (۵۸) اور انگریزوں نے سندھ پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ شاہ شجاع الملک کو افغانستان کا حکمران بنایا(۵۹)

محراب خان کی شہادت کے بعد قلات کے پولیٹیکل افسر (لیفٹیننٹ لوڈے) کی حفاظت کے لیے شاہ شجاع نے ہندوستانی سپاہیوں کو قلات میں متعین کیا۔(۶۰) اس زمانے میں سندھ میں اردو شاعری کے اثرات تیزی سے پھیل رہے تھے۔ جبکہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد برصغیر کے مسلمانوں میں ملت کا تصور فروغ پانے لگا تھا۔

محراب خان کی شہادت کے بعد مُلا محمد حسن کو سندھ میں بکر کے قلعہ میں بند کر دیا گیا(۶۱) ان کی اردو شاعری میں اپنے زمانے کے حوالے سے اسی قید کے بارے میں اشعار ملتے ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے جب سندھ میں سرکاری درباری زبان فارسی ہونے کے باوجود اردو شاعری امراء کی محفلوں تک رسائی حاصل کر چکی تھی، اور فقیر غلام علی زنگیجہ (۱۱۸۰ھ-۱۲۵۵) بمطابق ۱۷۶۶ء-۱۸۳۹ء * دریا خان زنگیجہ (۱۱۹۰ھ؟ ۱۲۷۰ھ)، میر کرم علی خان خاں کرم، (۱۱۸۷ھ؟ ۱۲۴۴) بمطابق ۱۷۷۶ء-۱۸۵۳ء * میر مراد علی خاں علی (۱۱۸۸ھ ۱۲۴۹ھ) میر غلام علی مائل (۱۱۸۱ھ-۱۲۵۱ھ) میر محمد نصیر خاں جعفری (۱۲۱۹ھ ۱۲۶۱ھ) بمطابق ۱۸۰۴ء-۱۸۴۵ء * میر صوبیدار خان میر (۱۲۱۷ھ؟ ۱۲۶۲ھ) نظر علی فقیر زنگیجہ (۱۲۲۵ھ ۱۲۶۵ھ) محمد یوسف فقیر اگڑہ (۱۲۰۰ھ؟ ۱۲۴۹ھ) نواب غلام شاہ لغاری (۱۲۱۴ھ ۱۲۷۸ھ) خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم (۱۱۹۰ھ ۱۲۸۰ھ) میر شہداد خان حیدری (وفات ۱۲۸۴ھ) سندھ میں اردو شاعری کے چراغ روشن کر رہے ہیں۔(۶۳)

قلات کے وزیر اعظم کی حیثیت سے نائب مُلا محمد حسن براہوئی کا نہ صرف امیران سندھ سے ربط وضبط تھا بلکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق وہ اپنے دربار میں یقیناً امیران سندھ کی پیروی میں مشاعروں کا انعقاد کرتے ہوں گے۔ یوں بھی امیران سندھ سے بلوچستان کے حکمرانوں کے تعلقات اور رشتہ داریاں میاں مراد خان کے زمانے سے استوار چلی آ رہی تھیں۔ نادر شاہ کے سندھ پر حملہ کے بعد امیران سندھ کے دو بیٹے اور دو ہزار سپاہی دس سال تک نادر شاہ کی خدمت میں رہے(۶۴)، سندھ اور بلوچستان کے یہ فوجی یرغمالی اس عرصے میں ساتھ ساتھ رہے اور نادر شاہ کے قتل کے بعد اکٹھے ہی وہاں سے فرار ہوئے۔(۶۵)

بلوچستان اور سندھ میں انگریزوں کی آمد، پہلی افغان جنگ اور میر محراب خان کے قتل کے بعد بلوچستان میں سیاسی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ قلات کی بجائے کوئٹہ کی اہمیت بڑھتی چلی گئی کیونکہ سندھ سے درۂ بولان کے راستے قندہار کا رستہ ہو، یا کراچی سے سونمیانی اور خضدار، قلات اور مستونگ سے قندہار کا رستہ، کوئٹہ اپنے محل

وقوع کی وجہ سے ایک ناگزیر رستہ تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قلات پر عملی طور پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد بھی انگریزوں کے لیے کوئٹہ کی اہمیت قائم رہتی ہے اور ۱۸۸۶ء میں خان آف قلات سے کوئٹہ کو اجارہ پر لینے کے بعد (۲۶) اسے نہ صرف فوجی چھاؤنی کا درجہ دیا جاتا ہے بلکہ تجارتی اور سرکاری طور پر اسے برٹش بلوچستان کا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے مخصوص حکمت عملی کی وجہ سے سندھ میں اردو کو رائج کرنے کی بجائے انگریزوں نے وہاں سرکاری طور پر سندھی زبان کو فروغ دیا (۲۷) لیکن بلوچستان میں مقامی زبانوں کی صورت اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی اس لیے انہوں نے بلوچستان میں اردو کو سرکاری طور پر نافذ کیا۔

کوئٹہ پر قبضہ کے بعد انگریزوں نے اپنی ضروریات کی خاطر تعلیمی اداروں کا اجراء شروع کیا تو روایتی مدرسوں کی بجائے ان اسکولوں کی سرپرستی اور مختلف تعلیمی نصاب کو متعارف کرانا شروع کر دیا جس میں فارسی کی بجائے اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا۔ دفتری خط و کتابت کے لحاظ سے اردو کی وسعت کا سلسلہ خصوصاً ۱۸۷۷ع اور اس کے بعد ہوا جب ایجنسی بلوچستان کا قیام عمل میں آیا اس سے پہلے موجودہ کوئٹہ اور قلات ڈویژن کی حیثیت ایک آزاد و خود مختار ریاست یعنی ریاست قلات کی تھی، جس میں نصیر آباد اور لسبیلہ بھی شامل تھے اور ریاست قلات کی دفتری زبان فارسی تھی۔ بلوچستان ایجنسی کے قیام کے بعد اُردو کو دفتروں اور عدالتوں میں نافذ کیا گیا۔ عدالت چیف کورٹ پنجاب کے قواعد و احکام کار، تیسرا باب ''قواعد و احکام مرتبہ بموجب خاص ایکٹ ہائے متعلق ملک پنجاب،، پر مشتمل ہے۔ اس باب میں داد و گرفت مجرمان و اختیار بریاست غیر کے عنوان سے حصہ (و) میں وہ اختیارات درج ہیں جن سے انگریزی افسر علاقہ جات غیر میں کام لیتے تھے ان میں نمبر (ا) بلوچستان ہے کتاب مذکور کے ساتویں صفحے پر زبان مروجہ عدالت ہائے پنجاب کے عنوان سے ایک حکم درج ہے جو حسب ذیل ہے ''اردو زبان عدالت ہائے ماتحت'' بحوالہ دفعہ ۶۴۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی اس امر کی اطلاع دی جاتی ہے کہ زبان اردو کو لوکل گورنمنٹ نے عدالت ہائے ماتحت تک پنجاب کی زبان قرار دیا ہے'' اسی طرح صفحہ ۹۴ پر حسب ذیل حکم درج ہے

''زبان عدالت ہائے فوجداری نمبر ۱۰۳ بموجب احکام دفعہ ۵۵۶ ایکٹ ۱۱' ۱۸۸۲ع مجموعہ ضابطہ فوجداری نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر یہ قرار دیتے ہیں کہ اس علاقے کے اندر جس پر پنجاب گورنمنٹ حکمران ہے' عدالت ہائے فوجداری کی زبان اردو متصور ہوگی'' اسی کتاب میں ''بلوچستان'' کے تحت مندرج ہے

''نمبر ۸۱۳ (ای) یا استعمال ان اختیارات کے جو بروئے دفعہ ۱۶ ایکٹ متعلق اختیار بریاست غیر داد و گرفت مجرمان نمبر ۲۱' ۱۸۷۹ع عطا کیے ہیں۔

نواب گورنر جنرل بہادر یا اجلاس کونسل افسران مفصلہ ذیل کو جو رعایا برطانیہ اہل یورپ ہوں، اندر علاقہ

علی جناب خان قلات اور اندراس علاقہ کے جس میں صاحب ایجنٹ گورنر جنرل مقیم بلوچستان بحیثیت ایجنٹ مذکور حکمران ہیں، صاحبان جسٹس آف دی پیس مقرر فرماتے ہیں اور نفاذ حکم فرماتے ہیں کہ عدالت چیف کورٹ پنجاب وہ عدالت ہے جس میں صاحبان جسٹس آف دی پیس مذکور رعایا برطانیہ اہل یورپ کے واسطے تجویز کی تفویض کیا کریں گے افسران محولہ بالا۔

صاحب ایجنٹ گورنر جنرل مقیم بلوچستان

صاحبان پولیٹیکل ایجنٹ مقیم

(ا) کوئٹہ　　(ب) ژھوب　　(ج) درہ قلات و بولان

(د) جنوب مشرقی بلوچستان　　(ہ) ضلع لورالائی و ریلوے'

ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں کی آمد (۱۸۷۶ء کے لگ بھگ) کے بعد جلد ہی اس خطے کے اندر دفاتر میں اردو بروئے کار آنے لگی تھی۔(۶۸)

عدالتی، تعلیمی اور سرکاری طور پر اردو کو نافذ کرنے بعد انگریزوں کو ہندوستان سے خواندہ افراد کو بلانا پڑا اور مقامی لوگوں کو ملازمتوں میں لانے کے لیے اردو کی ضرورت پڑی اس سماجی اور معاشی دباؤ نے اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قلیل عرصے میں بازاروں، چھاؤنیوں اور تاجروں میں میں مروج اس زبان نے علمی و ادبی اختیار کر لی اور اردو میں سرکاری عدالتی تجارتی معاملات کو چلانے کے ساتھ ساتھ ذاتی خطوط اور اظہار کے فنی نمونے منظر عام پر آنا شروع ہو گئے۔

بلوچستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے ہمیں اس پورے خطے میں بول چال کی زبان کے طور پر تو اردو کی بہت سی شہادتیں مل جاتی ہیں لیکن انگریزوں کے قبضے سے پہلے اردو کے ایک ہی شاعر مُلا محمد حسن براہوئی کا سراغ ملتا ہے۔اور اس کی بڑی وجہ مُلا محمد حسن کی سیاسی اور سماجی حیثیت ہے۔لیکن کوئٹہ پر قبضے کے بعد انگریزوں نے نہ صرف برٹش بلوچستان کے نام سے ایک نئی حکومت قائم کی بلکہ عدالتی اور سرکاری طور پر اردو کا نفاذ بھی عمل میں لایا گیا۔

انگریزوں کی آمد کے بعد بلوچستان میں اردو زبان و ادب کے فروغ میں کن سیاسی اور سماجی عوامل نے کیا کردار ادا کیا اور اردو زبان اور شاعری نے بلوچستان کے سیاسی و سماجی ماحول پر کیا اثرات مرتب کیے اس تفصیل میں جانے سے پیشتر اگر بلوچستان کی جغرافیائی، تاریخی، سیاسی، ثقافتی اور لسانی پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو تصویر زیادہ واضح ہو گی۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو (جلد اول) مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۵ء صفحہ ۵۳۸

۲۔ محمد اشرف خان، دیوان ولی، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۸۷ء

۳۔ ہارٹ، لارنس لاک، نادرشاہ (اردو ترجمہ منصور فاروقی) تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۸ء صفحہ

۴۔ محمد ذکاء اللہ دہلوی، مولوی، تاریخ ہندوستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء صفحہ ۲۵۸

۵۔ پوٹنگر، لیفٹیننٹ ہنری، سفر نامہ سندھ و بلوچستان، (اردو ترجمہ از ایم انور رومان) نساء ٹریڈرز، کوئٹہ ۱۹۸۳ء صفحہ ۲۹۹

۶۔ نصیر، گل خان، تاریخ بلوچستان، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۱۹۷۹ء صفحہ ۴۹

۷۔ ہارٹ، لارنس لاک، نادرشاہ (اردو ترجمہ، طاہر منصور فاروقی) صفحہ ۱۶۵

۸۔ میر نصیر خان احمدزئی، تاریخ بلوچ وبلوچستان (جلد پنجم) بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۷۱

۹۔ لارنس ہارٹ لاک، ۱۷۰

۱۰۔ مہر، غلام رسول، ۱۹۹۶ء صفحہ ۵۲۰

۱۱۔ ہارٹ، لارنس لاک، صفحہ ۲۳۱

۱۲۔ پوٹنگر، لیفٹیننٹ ہنری، سفر نامہ سندھ و بلوچستان، (اردو ترجمہ، ایم انور رومان) صفحہ ۲۹۹

۱۳۔ لارنس لاک ہارٹ، نادرشاہ (اردو ترجمہ از طاہر منصور فاروقی) صفحہ ۲۲۲

۱۴۔ ایضا صفحہ ۲۱۶

۱۵۔ ہارٹ، لارنس لاک، نادرشاہ (اردو ترجمہ، طاہر منصور فاروقی) صفحہ ۲۳۱

۱۶۔ ایضا صفحہ ۲۶۸

۱۷۔ ایضا صفحہ ۳۱۲

۱۸۔ ایضا صفحہ ۲۶۷

۱۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد اول) صفحہ ۵۳۰

۲۰۔ آغا نصیر خان احمدزئی، تاریخ بلوچ وبلوچستان، (جلد پنجم) بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۷۵۔۱۹۱

۲۱۔ شاہ محمد مری، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۳۰

۲۲۔ ایضا صفحہ ۱۲۸

۲۳۔ گنڈا سنگھ، احمد شاہ ابدالی، تخلیقات، لاہور ۱۹۹۳ء صفحہ ۳۶۹

۲۴۔ پوٹنگر، سفر نامہ بلوچستان وسندھ، (اردو ترجمہ، ایم انور رومان) صفحہ ۹۴

۲۵۔ چارلس میسن، سفر نامہ قلات، (اردو ترجمہ، انور رومان، پروفیسر ایم) بے نظیر انٹر پرائزز، کوئٹہ، ۱۹۸۶ء صفحہ ۳۵۹

۲۶۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، کلیات محمد حسن براہوئی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء صفحہ ا

۲۷۔ نائب میر محمد حسن خان بنگلزئی، گلدستہ قلات، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۳ء صفحہ ا۔۱۴

۲۸۔ انور رومان، پروفیسر ایم، سندھ نگر، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۹ء صفحہ ۹۲

۲۹۔ شاہ محمد مری، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، صفحہ ۱۲۸

۳۰۔ انور رومان، پروفیسر ایم، سندھ نگر، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۹ء صفحہ ۹۲

۳۱۔ رابنسن، کیپٹن جے اے، مشرقی افغانستان کے خانہ بدوش قبائل (اردو ترجمہ، پروفیسر سعید احمد رفیق) نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۳ء صفحہ ۴۹

۳۲۔ ایضاً صفحہ ۵۰

۳۳۔ ایضاً صفحہ ۲۰

۳۴۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۰

۳۵۔ شاہ محمد مری، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، صفحہ ۱۴۷

۳۶۔ ایضاً صفحہ ۱۳۸

۳۷۔ ہارٹ، لارنس لاک، نادر شاہ (اردو ترجمہ از منصور فاروقی)، صفحہ ۲۱۳

۳۸۔ گنڈا سنگھ، احمد شاہ ابدالی، صفحہ ۲۱۴

۳۹۔ ایضاً صفحہ ۱۷۶

۴۰۔ گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان، صفحہ ۹۴

۴۱۔ ملک محمد سعید دہوار، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۵ء صفحہ ۴۹۹

۴۲۔ سید محمود شاہ بخاری، تاریخ بلوچستان، بک لینڈ، جناح روڈ کوئٹہ، ۱۹۸۱ء صفحہ ۲۶۴

۴۳۔ شاہ محمد مری، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، صفحہ ۱۴۷

۴۴۔ گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان، صفحہ ۹۴

۴۵۔ ایضاً صفحہ ۹۹

۴۶۔ شاہ محمد مری، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، صفحہ ۱۴۷

۴۷۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اکبرالہ آبادی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء۔ صفحہ ۵۲

۴۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۹۴ء، صفحہ ۶۔۱۰۸۔۱۱۱۲

۴۹۔ کوہلی، پروفیسر سیتارام، مہاراجہ رنجیت سنگھ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۵۶

۵۰۔ پوٹنگر، سفرنامہ بلوچستان و سندھ، (اردو ترجمہ) صفحہ ۵۸۔۱۳۴۔۴۲۸

۵۱۔ اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ (جلد سوم) اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۹۰ء۔ صفحہ ۲۰

۵۲۔ ملک محمد سعید دہوار، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۵ء صفحہ ۵۹۴

۵۳۔ چارلس میسن، سفرنامہ قلات، صفحہ
۵۴۔ ملک محمد سعید دہوار، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، صفحہ ۵۸۸
۵۵۔ ایضا صفحہ ۶۰۰
۵۶۔ منشی حکیم چند، تواریخ ڈیرہ غازی خان قسمت ڈیرہ جات (۱۸۷۵ء) انڈس پبلی کیشنز، کراچی، باردوم ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵۳
۵۷۔ غلام رسول مہر، سید احمد شہید، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، حیدرآباد، کراچی، ۱۹۸۱ء ، ۲۹۸۔۳۰۷
۵۷۔ غلام رسول مہر، سید احمد شہید، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، حیدرآباد، کراچی، ۱۹۸۱ء ، ۲۹۸۔۳۰۷
۵۸۔ خان آف قلات میر احمد یار خان، مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ، ایوان قلات سریاب روڈ کوئٹہ، ۱۹۷۲ء ،
۵۹۔ ایضاً
۶۰۔ ملک محمد سعید دہوار، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، ۱۹۸۵ء صفحہ ۶۴۸
۶۱۔ ایضاً ۶۶۲
۶۲۔ ہاشمی، عبدالقدوس، تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان، (طبع دوم) ۱۹۸۷ء
۶۳۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، سندھ میں اردو شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۸ء
۶۴۔ میر نصیر خان احمد زئی، تاریخ بلوچ و بلوچستان، (جلد پنجم) بلوچی اکیڈمی، صفحہ ۱۹۲
۶۵۔ میر نصیر خان احمد زئی، تاریخ بلوچ و بلوچستان، (جلد پنجم) بلوچی اکیڈمی، صفحہ ۱۹۲
۶۶۔ خان قلات، احمد یار خان، مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ، ایوان قلات، کوئٹہ، ۱۹۷۲ء
۶۷۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی، مسلمانان سندھ کی تعلیم، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، طبع ثانی ۱۹۸۶ء صفحہ ۶۶
۶۸۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۲

❀……❀……❀